شِرک

(پرویز صاحب کا ایک درس)

شرک کو اللہ تعالےٰ نے جرمِ عظیم قرار دیا ہے ——— ایسا جرم "جس کی بخشش نہیں ہو سکتی"۔ سوال یہ ہے کہ شرک کیا ہے اور وہ کیوں اس قدر سنگین جرم ہے۔ شرک کے متعلق عام تصوّر یہی ہے کہ خدا کے سوا دوسروں کی پرستش کرنا شرک ہے اور اس کی محسوس اور بیّن مثال بُت پرستی ہے۔ ——— اور چونکہ مسلمان بتوں کو نہیں پوجتا اس لئے وہ مطمئن رہتا ہے کہ میں شرک کا مرتکب نہیں ہوتا۔ یہ

شرک کا عام تصوّر

تو ہوا شرک۔ اب رہی یہ بات کہ اسے اللہ تعالےٰ نے ایسا سنگین جرم کیوں قرار دیا ہے تو اس کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ خدا بھلا اسے کس طرح برداشت کر سکتا ہے کہ اس کے ساتھ اوروں کی بھی پرستش کی جائے۔ یعنی اس سے چونکہ (معاذ اللہ) خدا کا کچھ بگڑتا ہے یا اس کی غیرت اسے گوارا نہیں کر سکتی کہ کسی کو اس کا ہمسر بنا دیا جائے اس لئے وہ اس جرم کو کبھی نہیں بخشتا۔ آپ غور کیجئے کہ اس توجیہہ کی رُو سے خود خدا کے متعلق کیا تصوّر پیدا ہوتا ہے؛ حقیقت یہ ہے کہ ایک شرک پر ہی کیا موقوف ہے خدا کی عبادت۔ اس کے احکام کی فرماں برداری۔ حقوق اللہ کی ادائیگی وغیرہ کے سلسلے میں جو عام عقیدہ ہمارے ہاں رائج ہے اس کی رُو سے خدا کے متعلق تصوّر ہی یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا کے کچھ اپنے مقاصد ہیں جنہیں وہ اس طرح ہم سے پورے کرانا چاہتا ہے۔ جب ہم قرآن کریم کی وہ آیت سنتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ ہم نے جنّوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ ہماری عبادت کریں۔ (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ ۵۱/۵۶) تو اس سے ہمارے اس عقیدہ کو اور پختگی حاصل ہو جاتی ہے کہ خدا کے سامنے کوئی اپنا پروگرام تھا جس کی تکمیل کے لئے اس نے ہمیں پیدا کر کے یہ فریضہ عائد کر دیا کہ ہم اس کی عبادت کرتے رہیں۔ خدا کے متعلق یہ تصوّر صحیح نہیں،

خدا کے متعلق تصوّر

وہ اپنے کسی پروگرام کی تکمیل کے لئے کسی کا محتاج نہیں (فَإِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ ۳/۹۶) وہ جو احکام ہمیں دیتا ہے اس لئے نہیں کہ اس کی بجا آوری سے کچھ اس کا سنورتا ہے اور اگر ان کی تعمیل نہ کی جائے تو اس سے کچھ اس کا بگڑتا ہے۔ قطعاً نہیں۔ ان احکام کی بجا آوری سے کچھ ہمارا ہی سنورتا ہے اور ان کی خلاف ورزی سے ہمارا ہی بگڑتا ہے۔ اس طرح خدا پر ایمان لانے سے بھی ہمارا ہی ایک عظیم مقصد حاصل ہوتا ہے اور اس سے انکار کرنے سے ہمارا ہی نقصان ہوتا ہے۔ خدا تو اس وقت بھی خدا تھا جب اسے کوئی ماننے والا

نہیں تھا اور اگر آج بھی دنیا کے تمام انسان اس کی ہستی سے انکار کر دیں تو اس سے اس کا کچھ نہیں بگڑ سکتا۔ (بلا تمثیل) سورج اس زمانے میں بھی اسی طرح روشنی دیتا تھا جب کوئی آنکھ اسے دیکھنے والی نہیں تھی اور اگر آج ساری دنیا کے انسان اپنی آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائیں تو اس سے سورج کا قطعاً کوئی نقصان نہیں ہوگا خود انسانوں ہی کا نقصان ہوگا۔ لہٰذا خدا کو وحدہٗ لاشریک ماننے سے بھی خدا کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، نہ ہی اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنے سے اس کا کچھ بگڑتا ہے۔ "ایک خدا" ماننے میں ہمارا ہی فائدہ ہے، اور اس کے ساتھ اوروں کو شریک کرنے سے ہمارا ہی نقصان۔ اور یہ نقصان اتنا بڑا ہے کہ اس کی تلافی نہیں ہو سکتی ——— یہی مفہوم ہے اس ارشادِ خداوندی کا کہ شرک بخشا نہیں جا سکتا۔

شرک اور خوف

شرک کے اس "نقصانِ عظیم" کی تفصیل تو طول طویل ہے لیکن قرآن نے اپنے مخصوص معجزانہ انداز سے اس تفصیل کو دو لفظوں میں سمٹا کر رکھ دیا۔ جب کہا کہ: سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا (۳/۱۵۰) جو لوگ اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں ہم ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ ان پر خوف طاری ہو جائے گا۔ اس لئے کہ وہ خدا کے ساتھ اسے شریک ٹھہراتے ہیں جس کی کوئی سند خدا نے نازل نہیں کی۔ بات بالکل واضح ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ شرک سے انسان کے دل میں خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ ہیں:۔

ہر کہ رمزِ مصطفیٰ فہمیدہ است — خوف را در شرک مضمر دیدہ است

اس کے برعکس ایک خدا کو ماننے والے (مومنین) کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (۲/۶۲) ان پر کسی قسم کا خوف وحزن نہیں ہوتا۔ یعنی شرک سے خوف پیدا ہوتا ہے اور توحید کا لازمی نتیجہ بے خوفی ہے۔ اور یہ مومن اور مشرک کا بنیادی خطِ امتیاز ہے۔ آیئے ہم قرآنِ کریم سے اس اجمال کی تفصیل دیکھیں۔

مظاہرِ فطرت کی پرستش

جب ذہنِ انسانی عہدِ طفولیت میں تھا (اور اب بھی دنیا کی بیشتر آبادی کا یہی عالم ہے) تو وہ فطرت کی مختلف قوتوں کو دیوی دیوتا سمجھ کر ان کے حضور جھکتا اور گڑگڑاتا ——— بجلی چمکی اور وہ سہم کر ہاتھ باندھنے لگ گیا۔ بادل گرجا اور وہ ڈر کے سجدے میں گر گیا۔ دریا کی طغیانیوں کو دیکھا تو وہ کانپ اٹھا۔ چیچک یا طاعون جیسی وبائی بیماریاں پھوٹیں اور اس نے کسی ان دیکھی قوت کے سامنے ڈنڈوت بجا لانا شروع کر دیا ——— غرضیکہ ایک انسان تھا اور اسے اپنے چاروں طرف بلاؤں کا ہجوم نظر آتا تھا جن سے وہ ہر وقت ڈرتا کانپتا رہتا تھا۔ خوف ——— ہر طرف سے خوف۔ ڈر، چاروں طرف سے ڈر۔ یہ تھی اس وقت انسان کی زندگی۔ اس سے بچنے کے لئے اسے اس کے سوا کچھ نہیں سوجھتا تھا کہ وہ ان ان دیکھی قوتوں کو "خدا" سمجھ کر انہیں راضی رکھنے کی کوشش کرے۔ انہی ان دیکھی قوتوں کو اس نے محسوس شکلوں میں تراش کر بت پرستی شروع کر دی۔

انسان یہ کچھ کیوں کرتا تھا؟ اس لئے کہ وہ اپنے مقام سے آشنا نہیں تھا۔

قرآن آیا اور اس نے انسان سے کہا کہ

قرآن کا پیغام

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ (۴۵/۱۳)

کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے وہ سب قانون کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے تاکہ انسان ان سے کام لے سکے۔ اس نے داستانِ آدم کے تمثیلی انداز میں بتایا کہ "ملائکہ" انسان کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ فطرت کی کوئی قوت ایسی نہیں جو انسان کے سامنے نہ جھک سکے۔ قرآن کی اس ایک انقلابی آواز نے ساجد کو مسجود اور مسجود کو ساجد بنا دیا۔ اس نے بتا دیا کہ جو انسان اپنے آپ کو فطرت کی ان قوتوں سے فروتر اور کمزور سمجھتا ہے وہ مقامِ آدمیت سے گرا ہوا ہے۔ انسان ان قوتوں (دیوی دیوتاؤں) کو اپنے سامنے جھکانے کے لئے آیا ہے، ان کے سامنے جھکنے کے لئے نہیں آیا۔ جو ان کے سامنے جھکتا ہے اپنی تذلیل کرتا ہے۔ جو انہیں اپنے سے بڑا مانتا ہے اپنے شرف اور فضیلت سے انکار کرتا ہے۔

اس سے آپ نے دیکھا کہ فطرت کی قوتوں کو خدا ماننے والا اور ان کے محسوس مظاہر (مٹی اور پتھر کی مورتیوں، بتوں) کے سامنے جھکنے والا خدا کا کچھ نہیں بگاڑتا، اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے۔

فطرت کی قوتوں سے آگے بڑھے تو بعض انسانوں نے دوسرے انسانوں کے سامنے جھکنا شروع کر دیا، راجہ کو ایشور کا اوتار، سلطان کو ظل اللہ علی الارض (زمین پر خدا کا سایہ) بادشاہوں کو خدائی اختیارات

انسانوں کی پرستش

کا حامل سمجھ کر ان کے حضور گڑگڑانا شروع کر دیا۔ انہیں ان داتا (رزق دینے والا) تصور کر کے ان سے ڈرنے اور کانپنے لگا۔ راجہ اور بادشاہ تو پھر بھی محسوس قوتوں کے مالک تھے، اس نے مذہبی پیشواؤں اور "روحانی مقتداؤں" کو قضا و قدر کے احکامات کا مالک سمجھ کر ان کی پرستش شروع کر دی۔ وہ انہیں راضی رکھنے کے لئے ان کے آستانوں پر جبہ سائی کرنے لگا اور ان کے احکام کی خلاف ورزی کے تصور تک سے کانپنے لگا۔ خلاف ورزیِ احکام" تو ایک طرف، اگر ان کی شان کے خلاف دل کی گہرائیوں میں بھی کوئی خیال گزرا تو سہم گیا کہ نہ معلوم اب کیا قیامت آ جائے گی۔ رفتہ رفتہ یہ سلسلہ

مُردوں کی پرستش

یہاں تک بڑھ گیا کہ زندہ انسان تو ایک طرف مُردوں تک کے متعلق یہ عقیدہ قائم کر لیا گیا کہ وہ بڑی قوتوں کے مالک ہیں۔ ان کے اختیارات بڑے وسیع ہیں۔ ان کو خوش کر دینے سے انسان کی مرادیں بر آتی ہیں۔ ان کی ناراضگی سے مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں جن سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔

قرآن آیا اور اس نے کہا کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کو خدا بنا کر اس سے ڈرنا اور کانپنا انسانیت کی انتہائی تذلیل ہے۔ کسی انسان کو دوسرے انسان پر کسی قسم کا اختیار و اقتدار حاصل نہیں۔ انسان ہونے کی جہت سے

مساواتِ انسانیہ

سب برابر اور یکساں طور پر واجب التکریم ہیں۔ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ (۷/۱۹۴) جن لوگوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو، وہ تمہارے جیسے (خدا کے) بندے ہیں۔ تم انہیں جن قوتوں کا مالک سمجھتے ہو ان کی حیثیت مکڑی کے جالے

سے زیادہ کچھ نہیں۔ مکڑی کے جالے کی کیفیت۔ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے سے کمزور کو پھانس لیتا ہے لیکن صاحب قوت کے سامنے ایک سیکنڈ کے لئے نہیں ٹھہر سکتا۔ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ (۲۹/۴۱) جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کو اپنا کارساز و کارفرما سمجھ لیتے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے۔ وہ ایک گھر بناتی ہے۔ لیکن کیسا گھر؟ دنیا میں سب سے زیادہ کمزور گھر۔ انسان جن اپنے جیسے انسانوں کو اپنا "خدا" بنا لیتا ہے ان کی اپنی قوت کچھ نہیں ہوتی، جب تک، انہیں خدا مانتے رہیئے وہ خدا بنے بیٹھے رہتے ہیں، جب انہیں ایسا ماننا چھوڑ دیجئے ان کی خدائی ختم ہو جاتی ہے۔

ایں خدا تا سجدہ اش کردی خداست چوں یکے اندر قیام آئی فناست

لہٰذا کسی انسان کو خدا بنا کر اس کے سامنے جھکنا شرف انسانیت کی انتہائی تذلیل ہے۔ اور جب زندہ انسان کے سامنے جھکنے کی یہ کیفیت ہے، تو مردہ انسان کے حضور، زندہ انسان کا جھکنا اور اس کے سامنے گڑ گڑانا انسانیت کی ایسی ذلت ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس سے ظاہر ہے کہ انسانوں کو خدا بنا لینے والا خدا کا کچھ نہیں بگاڑتا۔ اپنے ہاتھوں آپ ذلیل ہوتا ہے۔

مقام آدم

قرآن نے انسان سے کہا کہ تیری دنیا میں تجھ سے بلند مقام کسی کا نہیں۔ فطرت کی قوتیں سب تیری خادم ہیں، تو ان کا مخدوم اور مسجود ہے۔ باقی رہے انسان سو انسان ہونے کی حیثیت سے سب ایک جیسے ہیں۔

ہاں! انسان سے بلند اور بالا مقام صرف ایک ہستی کا ہے اور وہ ہے ذات خداوندی جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا اور خود انسان کو بھی۔ لیکن خدا کی ذات بھی ایسی نہیں جس سے انسان ڈرے اور سہمے۔

قانون والا خدا

ڈرنا اور کانپنا اس سے ہوتا ہے جس کے پاس قوت بے پناہ ہو لیکن وہ کسی قاعدے اور قانون۔ ضابطے اور اصول کا پابند نہ ہو۔ جس کے متعلق معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کس بات سے ناراض ہو جائے گا اور کس سے خوش۔ وہ کب خلعت بخش دے گا اور کب کھال کھنچوا دے گا۔ قرآن نے بتایا کہ خدا کی ذات ایسی نہیں۔ اس کی قوتیں بے شک لامحدود ہیں لیکن وہ ان کا استعمال (معاذ اللہ) اندھا دھند نہیں کرتا، ان اصولوں کے ماتحت کرتا ہے جو اس نے خود وضع کئے ہیں اور جن پر وہ خود اپنی مرضی سے پابند ہے اور پابند بھی ایسا کہ ان سے کبھی ادھر ادھر نہیں ہٹتا۔ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (۳۳/۶۲) اور تم خدا کے اصولوں میں کبھی تغیر و تبدل نہیں دیکھو گے۔ اگر تم اس کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق کام کرتے جاؤ گے تو تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر ان کی خلاف ورزی کرو گے تو اس کے تباہ کن نتائج سے تمہیں کوئی بچا نہیں سکے گا۔ وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ (۱۰/۱۰۷) اگر قانون خداوندی کے مطابق تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچ رہا ہو تو کوئی نہیں جو اسے رفع کر سکے اور اگر اس کے قانون کے مطابق کچھ فائدہ پہنچ رہا ہو تو کسی کی طاقت نہیں جو اس نفع کو تم تک پہنچنے سے روک لے۔

غور کیجئے۔ جس صاحبِ اقتدار کی کیفیت یہ ہو کہ اس نے ہر کام کے نتیجے کے لئے غیر متبدل قوانین مرتب کر دیئے

خوف سے مامون

ہوں اور ان میں کبھی کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوتی ہو، اس کی مملکت میں رہنے والے انسان کس قدر خوف سے مامون ہوں گے۔ انہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔ وہ ڈریں گے تو قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے ڈریں گے (اس کو خشیۃ اللہ یا خدا سے ڈرنا کہتے ہیں) —— جیسے ہم آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ڈرتے ہیں۔ اگر ہم ان قوانین کی خلاف ورزی نہیں کرتے تو ہمارے لئے ڈرنے اور خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں —— اور چونکہ ساری کائنات میں قانون صرف خدا کا کارفرما ہے۔ اس میں کوئی اور قوت شریک نہیں (وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝ ۱۸/۲۶) اس لئے قوانینِ خداوندی کا اتباع کرنے والے کو نہ کسی سے ڈرنے کی ضرورت ہے نہ کسی کے سامنے جھکنے اور گڑگڑانے کی حاجت —— خواہ وہ فطرت کی کوئی قوت ہو، یا کوئی مردہ یا زندہ انسان۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ کسی سے خوف نہیں کھاتا۔ وہ کائنات میں سر اٹھا کر چلتا ہے اور دنیا کی بڑی سے بڑی چوکھٹ سے مستانہ وار گزر جاتا ہے۔ اس کے شرفِ انسانیت کو کہیں ٹھیس نہیں لگتی کسی مقام پر اس کی تذلیل نہیں ہوتی وہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی زندہ شہادت ہوتا ہے۔ اسے ہر طرح کا امن حاصل ہوتا ہے (ایمان کا لازمی نتیجہ امن ہے۔ اس کا مادہ ہی ا۔م۔ن ہے۔ مومن وہ ہے جو خود بھی امن میں ہو اور دوسروں کو بھی امن میں رکھے وہ نہ خود کسی کے سامنے جھکے نہ کسی کو اپنے سامنے جھکائے)

شرک کی دیگر اقسام

۴۔ لوگوں کے سامنے عام طور پر شرک کی ایک ہی شکل تھی، یعنی بت پرستی۔ لیکن قرآن کریم کی نگہ، دوررس اور جزرس نگہ نے ان محسوس پیکروں سے آگے بڑھ کر ان "خداؤں" کی بھی نشاندہی کر دی جو انسان کے قلب کی گہرائیوں میں پوشیدہ اور اس کے خون کے ذرات میں حلول کردہ ہوتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ توحید نام ہے خالصتہً قوانینِ خداوندی کے اتباع کا۔ آپ کو معلوم ہے کہ انسان کو قانون کے اتباع سے کون سی چیز روکتی ہے؟ اس کے جذبات! لہٰذا جو انسان قوانینِ خداوندی کو چھوڑ کر اپنے جذبات کا اتباع کرتا ہے، قرآنِ کریم اسے بھی شرک قرار دیتا ہے۔ وہ کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ ط (۲۵/۴۳) کیا تو نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جس نے خود اپنے جذبات ہی کو اپنا الٰہ بنا لیا۔ جب انسانی جذبات قوانینِ خداوندی سے سرکشی برت کر اپنی من مانی کرنے لگیں تو قرآن اسے شیطنت سے تعبیر کرتا ہے، اور شیطان کے متعلق واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ اس کا غلبہ مشرکین پر ہوتا ہے (۱۶/۱۰۰) یعنی انسان کا، قوانینِ خداوندی کو چھوڑ کر خود اپنے جذبات کے پیچھے لگ جانا شرک ہے اور ایسا کرنے والا مشرک۔

اسی طرح قرآن نے فرقہ پرستی کو بھی شرک قرار دیا ہے (۳۰/۳۱) اس لئے کہ اس میں بھی انسان، قوانینِ خداوندی کے اتباع کی بجائے اس انسان یا انسانوں کے گروہ کا اتباع کرتا ہے جن کی طرف وہ فرقہ منسوب ہوتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ایسا شخص خدا کے احکام کی خلاف ورزی سے اس قدر نہیں ڈرتا جس قدر اپنے فرقہ کے بانی —— یا اس کے نمائندے کے کسی حکم کی نافرمانی سے خوف کھاتا ہے۔

آپ نے غور کیا کہ قرآن کریم کی رو سے شرک کیا ہے؟ کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنا شرک ہے۔ مثلاً

(۱) فطرت کی قوتوں کا مقام یہ ہے کہ وہ انسان کی خادم اور تابع تسخیر ہیں انہیں انسان سے بلند و بالا سمجھنا، انہیں ان کے صحیح مقام سے ہٹا دینا ہے۔

(۲) تمام انسان، انسان ہونے کے اعتبار سے یکساں طور پر واجب التکریم ہیں۔ کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ دوسرے انسان کو اپنے سامنے جھکائے۔ لہٰذا کسی انسان کو یہ حیثیت دے دینا کہ دوسرے انسان اس کے سامنے جھکیں اسے اس کے صحیح مقام سے ہٹا دینا ہے۔

(۳) "مردہ بدستِ زندہ" عام محاورہ ہے اور حقیقت پر مبنی۔ لیکن مُردوں کو ایسا صاحبِ اقتدار سمجھ لینا کہ وہ زندہ انسانوں کے مقدرات کو بنا اور بگاڑ سکتے ہیں، مُردہ کو اس کے صحیح مقام سے ہٹا دینا ہے۔

(۴) خدا کی ذات ایسی ہے کہ انسان اس کے قوانین کا اتباع کرے اور اس میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔ اس اطاعت اور اتباع میں کسی اور کو شریک سمجھ لینا خدا کو اس کے صحیح ـــــ بلند و بالا مقام سے نیچے لے آنا ہے۔

"کسی شے کو اس کے اصل مقام پر نہ رکھنے" کو عربی زبان میں ظلم کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ قرآن کریم کی رو سے سب سے بڑا ظلم، شرک ہے اور اسی حقیقت کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے جب کہا ہے کہ

"اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ" (۳۱/۱۳)

شرک ظلمِ عظیم ہے۔ اس میں کوئی شے اپنے اصل مقام پر نہیں رہتی۔ باقی چیزوں کو تو چھوڑیئے۔ اس میں انسان اپنے بلند اور رفیع مقام سے اس بُری طرح گرتا ہے کہ اس کے شرف و مجد کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ دیکھئے

شرک سے پستی

قرآن نے اس حقیقت کو کیسے دل نشین انداز سے بیان کیا ہے جہاں کہا ہے کہ۔ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ ـــــ جو اللہ سے شرک کرتا ہے اس کی مثال یوں سمجھو جیسے کوئی شخص آسمان کی بلندیوں سے، زمین کی پستیوں پہ آگرے ـــــ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ۔ پھر اُسے کوئی (عقاب یا چیل) اُچک کر لے جائے۔ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (۲۲/۳۱) یا جیسے گھاس کا کوئی تنکا ہو، جسے تند و تیز ہوا اِدھر اُدھر اڑائے اڑائے پھرے اور کسی دور دراز مقام پر لے جا کر پھینک دے۔

آپ نے دیکھا کہ شرک انسان کو کیا سے کیا کر دیتا ہے۔ یہ اسے اس کے مقامِ آدمیت سے گرا کر ذلت و خواری کی انتہائی پستیوں میں پہنچا دیتا ہے۔ وہ یوں ڈرا سہما ہوا رہتا ہے جیسے چڑیا کا نوزائیدہ بچہ گھونسلے سے نیچے گر پڑا ہو۔ اور جس تیز چنگل والے پرندے کا جی چاہے اسے اُچک کر لے جائے۔ وہ اس قدر بے وزن اور بے حقیقت ہو جاتا ہے کہ ہوا کا ہر تیز و تند جھونکا اسے جدھر جی چاہے اڑائے اڑائے پھرتا ہے۔ شرک سے یہ کیفیت ہو جاتی ہے اس انسان کی جسے خالقِ کائنات نے ایسا بلند اور مستحکم مقام عطا کیا تھا۔

اختیار و ارادہ

قرآن کریم نے انسان کا سب سے بڑا شرف یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے اُسے صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا ہے اور پھر اس کے اس شرف کا اس قدر احترام کیا ہے کہ وہ اس کے اس اختیار و ارادہ کو اس سے کبھی نہیں چھینتا۔ وہ اس کے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔ وہ اس سے کہتا ہے کہ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (۴۱/۴۰) تم اپنے دائرۂ اختیارات میں اپنی "مشیت" کے مطابق کام کرو۔ تم اپنے فیصلوں کے مطابق جس طرح جی میں آئے کرو۔ اور اس کے نتائج بھگتو۔ یہ ہے انسان کا مقامِ بلند۔ لیکن شرک میں انسان اپنے اختیار و ارادہ کو دوسروں کے سپرد کر دیتا ہے اور اس طرح شرفِ انسانیت سے عاری ہو جاتا ہے۔ دیکھئے کہ اس باب میں قرآن کہاں تک آگے جاتا ہے اور انسان کو کس قدر بلند مقام تفویض کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شرک سے انسان کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ اپنے فیصلوں اور کاموں کی ذمہ داری لینے سے ڈرتا ہے۔ اس میں اتنی جرأت نہیں رہتی کہ وہ مردانہ وار کہے کہ ہاں! میں نے یہ کیا ہے اور میں اس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ اس کے برعکس وہ چاہتا ہے کہ اپنے اعمال کی ذمہ داری دوسروں کے سر تھوپ دے۔ سورۂ نحل میں ہے۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ (۱۶/۳۵) اور جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی کی محکومیت اختیار نہ کرتے۔ دیکھا آپ نے! شرک سے انسان کے حوصلے کس قدر پست ہو جاتے ہیں۔

—(۰)—

تصریحاتِ بالا سے یہ نکتہ واضح ہو گیا ہو گا کہ شرک سے مفہوم کیا ہے اور اس سے قرآن کریم نے اس شدت سے کیوں منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات میں بہت بلند مقام عطا کیا ہے۔ لیکن شرک سے انسان اپنے آپ کو اس بلند مقام سے گرا کر

شرک کی خرابیاں

ذلت و پستی کے عمیق گڑھے میں جا پہنچتا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے: وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا۔ اگر انسان ہمارے پروگرام کے مطابق چلتا تو یہ آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جاتا۔ وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ۔ لیکن یہ زمین کی پستیوں کے ساتھ چپک جاتا ہے۔ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ یعنی ہمارے قوانین کا اتباع کر کے دنیا میں سرفرازی سے چلنے کے بجائے اپنے جذبات کا اتباع کرتا ہے اور یوں شرف و مجد کی بلندیوں سے گر کر ذلت و خواری کی پستیوں میں جا پہنچتا ہے۔ یہ ہے شرک کا نتیجہ۔ یعنی اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا۔ خود انسان اپنے بلند مقام کو کھو دیتا ہے اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ اور کوئی نقصان بھی ہو اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔ لیکن جب انسان اپنے مقامِ انسانیت ہی سے گر جائے تو اس نقصان کی تلافی کس طرح ہو سکتی ہے۔ یہی مطلب ہے قرآن کے اس ارشاد کا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (۴/۴۸) خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق انسان کے ہر غلط اقدام کے نقصان رساں نتیجہ سے حفاظت کا سامان مل سکتا ہے۔ لیکن جو نقصان شرک سے مرتب ہوتا ہے اس سے حفاظت نہیں مل سکتی۔ انسان اپنے مقام کو نہ کھوئے تو اس کی

(باقی بر صفحہ ۳۳)

تتمہ:- پرویز صاحب کی یہ تقریر ۱۹۷۱ء کی تھی۔ اس کے بعد ملت میں افتراق و انتشار کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ موجودہ دور حکومت میں "اسلامی نظام" اسلامی قوانین کا چرچا عام ہوا تو کچھ ڈھارس بندھی تھی کہ شاید ہماری قسمت کے پلٹنے کے دن قریب آگئے ہیں۔ لیکن یہاں قرآنِ مجید کو بنیاد قرار دینے کے لئے بجائے فقہی مسائل کو قانونِ مملکت کی حیثیت سے نافذ کر دیا گیا ہے

مدت کے بعد اذنِ تبسم ملا ہمیں! — وہ بھی کچھ ایسا تلخ کہ آنسو نکل پڑے

اب دیکھئے تمسک بالکتاب کی جھلک کہاں سے نظر آتی ہے

آوازۂ حق اٹھتا ہے کب اور کہاں سے — مسکیں دلکم ماندہ دریں کشمکش اندر

(۰)

بقیہ: شرک (از صفحہ ...):- لغزشوں کی تلافی ہو سکتی ہے لیکن وہ اپنے مقام بلند ہی کو کھو بیٹھے تو اس نقصان کی تلافی کس طرح ہو سکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ انسانیت کی دنیا میں شرک سے بڑا جرم کوئی نہیں۔ اس سے انسان اپنے مقامِ بلند سے گر جاتا ہے۔ قرآن کی ساری تعلیم کا مقصود و منتہیٰ انسان کو اس کے صحیح مقام تک پہنچا دینا ہے۔ اور یہ توحید کے سوا ممکن ہی نہیں۔ یعنی اس ایمان کے سوا کہ جھکنا صرف قوانینِ خداوندی کے سامنے ہے۔ کسی اور کے سامنے نہیں ——— یہ ہے صحیح مقامِ انسانیت! (۱۹۶۲ء)

سجدۂ شکرانہ:- ابھی یہ پرچہ پریس میں جا رہا تھا کہ روزنامہ نوائے وقت (لاہور) کی ۲۲ مارچ ۱۹۸۱ء کی اشاعت میں یہ ایمان افروز خبر وجہ فروغِ دیدہ ہوئی کہ

وفاقی شرعی عدالت نے رجم کو اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دے دیا

تفصیل اس کی یوں درج ہے:——— "اسلام آباد ۲۱ مارچ (پ پ ا) وفاقی شرعی عدالت نے آج کثرت رائے سے فیصلہ سنایا ہے کہ رجم یعنی سنگسار کر کے ہلاک کر دینا حد نہیں۔ یہ فیصلہ مسٹر جسٹس (ریٹائرڈ) صلاح الدین احمد (چیئرمین) مسٹر جسٹس آغا حیدر علی، مسٹر جسٹس شیخ آفتاب حسین، مسٹر جسٹس ذکاء اللہ لودھی اور مسٹر جسٹس کریم اللہ درانی (ارکان) نے درخواستوں پر سنایا ہے۔ یہ درخواستیں لاہور کے مسٹر حضور بخش، مسٹر ایم آئی چوہدری نے دائر کی تھیں جن میں کہا گیا تھا کہ نفاذ حدود آرڈیننس مجریہ ۱۹۷۹ء کے مطابق رجم یا سنگساری اسلامی احکام کے منافی ہیں۔ فاضل عدالت کے تین ججوں نے فیصلہ دیا کہ رجم حد نہیں۔ جبکہ جسٹس شیخ آفتاب حسین نے قرار دیا کہ یہ فیصلہ تعزیر کے تحت سزا کے مطابق ہے۔ تاہم مسٹر جسٹس کریم اللہ درانی نے اس فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا کہ رجم حد ہے۔ عدالت کے اعلان کے مطابق اس فیصلے کا اطلاق اس سال ۳۱ جولائی سے ہوگا۔ اس وقت تک آئین کے تحت حکومت قانون میں ضروری ترمیم کرے گی۔ تاکہ اس قانون کو وفاقی شرعی عدالت کے اعلان کے مطابق بنایا جا سکے۔"

ہم سب سے پہلے بحضور رب العزت سجدہ ریز ہیں جس نے ہماری تیس سالہ کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ اس کے بعد ہم محترم حضور بخش اور ایم۔ آئی۔ چوہدری (نیز ان دیگر حضرات کو جنہوں نے اس باب میں کوشش فرمائی) مستحقِ مبارکباد سمجھتے ہیں۔ اور شرعی وفاقی عدالت کی خدمت میں ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس اولوالعزمانہ فیصلہ سے قرآنِ مجید کی برتری کو ثبت کر کے، اسلام کو دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل بنا دیا۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء